ان کی میں پروا نہیں کرتا۔"

"اور تمھارا کھانا کون پکائے گا؟"

"میری رانی سلیا۔"

"تو باھن کیسے رہو گے؟"

"میں باھن نہیں، چمار ہی رہنا چاہتا ہوں، جو اپنا دھرم پالے وہی باھن ہے، جو دھرم سے منہ موڑے وہی چمار ہے!"

سلیا نے اس کے گلے میں باہیں ڈال دیں۔

ہوری کی حالت روز بروز ابتر ہی ہوتی جا رہی تھی۔ زندگی کی جد وجہد میں اسے ہمیشہ شکست ملی۔ مگر اُس نے کبھی ہمت نہ ہاری۔ ہر شکست گویا اسے قسمت سے لڑنے کی طاقت دے دیتی تھی۔ مگر اب وہ اس آخری حالت میں پہنچ گیا تھا جب اس میں خود اعتمادی بھی نہ رہ گئی تھی۔ اگر وہ اپنے دھرم پر اٹل رہ سکتا تو بھی کچھ اشک شوئی ہو جاتی۔ مگر یہ بات نہ تھی اس نے نیت بھی بگاڑی، ادھرم بھی کمایا کوئی ایسی برائی نہ تھی جس میں وہ نہ پڑا ہو۔ پھر بھی زندگی کی کوئی خواہش پوری نہ ہوئی اور اچھے دن سراب کی طرح دور ہی ہوتے چلے گئے، یہاں تک کہ اب اسے وہ دھوکا بھی نہ رہ گیا تھا، جھوٹی امید کی ہریالی اور چمک بھی اب نہ دکھائی دیتی تھی۔ ہارے ہوئے راجہ کی طرح اس نے خود کو اس تین بیگھے کھیت کے قلعے میں بند کر دیا تھا اور اسے جان کی طرح بچا رہا تھا۔ فاقے کئے، بدنام ہوا، مزدوری کی، مگر قلعہ کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ مگر اب وہ قلعہ بھی قبضے سے نکلا جاتا تھا۔ تین سال سے لگان باقی پڑا ہوا تھا اور اب پنڈت نوکھے رام نے اس پر بیدخلی دائر کر دی تھی۔ کہیں سے روپئے ملنے کی امید نہ تھی۔ زمین اس کے ہاتھ سے نکل جائے گی اور اس کی بقیہ زندگی مزدوری میں کٹے گی۔ بھگوان کی اچھا! راجے صاحب کو کیوں دوکھ دے۔ اسامیوں ہی سے تو ان کا بھی گجر (گزر) ہے۔ اسی گاؤں پر آدھے سے ادھک گھروں پر بیدخلی آ رہی ہے۔ آدھے۔ اوروں کی جو دشا ہوگی، وہی اس کی بھی ہوگی۔ بھاگ میں سکھ بدا ہوتا تو لڑکا کیوں ہاتھ سے بے ہاتھ ہو جاتا؟

شام ہو گئی تھی۔ وہ اسی فکر میں ڈوبا ہوا بیٹھا تھا کہ پنڈت داتادین نے آکر کہا "کیا ہوا ہوری تمھاری بیدخلی کا؟ ان دنوں نوکھے رام سے میری بول چال بند ہے کچھ پتہ نہیں۔ سنا کہ تاریخ (تاریخ) کے پندرہ دن اور رہ گئے ہیں۔"

ہوری نے ان کے لئے کھاٹ ڈال کر کہا: "وہ مالک ہیں، جو چاہیں سو کریں میرے پاس روپیہ ہوتا تو یہ درگت کیوں ہوتی؟ کھایا نہیں، اڑایا نہیں، پر اپج ہی نہ ہو اور جو ہو بھی وہ کوڑی مول جائے تو کسان کیا کرے؟"

"پردھرتی تو بچانا ہی پڑے گی۔ بناہ کیسے ہوگا؟ باپ دادوں کی اتنی ہی نسانی بچ رہی ہے۔ وہ نکل گئی تو کہاں رہو گے؟"

"بھگوان کی مرجی (مرضی) ہے، میرا کیا بس ہے؟"

"ایک اپائے ہے جو تم کرو۔"

ہوری کو جیسے جان سی مل گئی۔ اس کے پاؤں پڑ کر بولا: "بڑا دھرم ہوگا مہراج، تمھارے سوا میرا کون ہے؟ میں تو نراس ہو گیا تھا۔"

نراس ہونے کی کوئی بات نہیں۔ بس اتنا ہی سمجھ لو کہ سکھ میں آدمی کا دھرم کچھ اور ہوتا ہے، دکھ میں کچھ اور۔ سکھ میں آدمی دان دیتا ہے پر دکھ میں بھیک تک مانگتا ہے۔ تب آدمی کا یہی دھرم ہو جاتا ہے۔ چولا اچھا رہتا ہے تو ہم اسنان پوجا کئے بنا منہ میں پانی بھی نہیں ڈالتے، پر بیمار ہو جاتے ہیں تو بنا نہائے دھوئے، کپڑے پہنے اور کھاٹ پر بیٹھے ہوئے کھا لیتے ہیں۔ اس سمے کا یہی دھرم ہے۔ یہاں ہم میں تم میں کتنا پھرک (فرق) ہے۔ مگر جگناتھ جی میں ایسی کوئی بات نہیں۔ دیکھے بنچے سب ہی ایک پنگت (قطار) میں بیٹھ کر کھاتے ہیں۔ برے دنوں میں رام چندر جی نے سیوری کے جوٹھے بیر کھائے تھے اور بال کو چھپ کر مارا تھا۔ جب سنکٹ میں بڑے بڑے لوگوں کی

مرجاد ٹوٹ جاتی ہے تو ہمارے دکھاری کون چلائے؟ رام سیوک مہتو کو تو جانتے ہو؟

ہوری نے بیدلی سے کہا۔ "ہاں، جانتا کیوں نہیں۔"

میرا جمان ہے۔ بڑا اچھا جما۔ (زمانہ) ہے اس کا۔ کھیتی باری الگ لین دین الگ۔ ایسے رعب داب کا آدمی ہی نہیں دیکھا۔ کئی مہینے ہوئے کہ اس کی عورت مر گئی۔ اولاد کوئی نہیں ہے۔ اگر روپا کا بیاہ اس سے کرنا چاہو تو میں اسے راجی (راضی) کر لوں۔ میری بات وہ کبھی نہ ٹالے گا۔ لڑکی سیانی ہو گئی ہے اور سبکھت (وقت) برا ہے۔ کہیں کوئی بات ہو جائے تو منہ میں کالکھ لگے۔ یہ بڑا اچھا موکا (موقع) ہے۔ لڑکی کا بیاہ بھی ہو جائے گا اور تمھارے کھیت بھی بچ جائیں گے۔ بیاہ کے کھرچ خرچ سے بھی بچے جاتے ہو۔"

رام سیوک ہوری سے دو ہی چار برس چھوٹا تھا ایسے آدمی سے روپا کے بیاہ کرنے کی تجویز ہی ہتک آمیز تھی۔ کہاں پھول سی روپا اور کہاں وہ بوڑھا ٹھونٹھ۔ زندگی میں ہوری نے بڑی بڑی چوٹیں سہی تھیں مگر یہ چوٹ سب سے گہری تھی۔ آج اس کے ایسے دن آ گئے ہیں کہ اس سے لڑکی بیچنے کی بات کہی جاتی ہے اور اس میں انکار کرنے کی ہمت نہیں ہے۔ رنج سے اس کا سر جھک گیا۔

داتا دین نے ایک منٹ کے بعد پوچھا۔ "کیا کہتے ہو؟"

ہوری نے صاف جواب دیا۔ بولا۔ "سوچ کر کہوں گا۔"

"اس میں سوچنے کی کیا بات ہے؟"

"دھنیا سے بھی تو پوچھ لوں۔"

"تم راجی (راضی) ہو کہ نہیں ؟"

"تنک سوچ لینے دو مہراج۔ آج تک گھرانے میں کبھی ایسا نہیں ہوا۔ اس کی مرجاد بھی تو رکھنی ہے۔"

"پانچ چھ دن کے اندر مجھے جواب دے دینا۔ ایسا نہ ہو کہ تم سوچتے ہی رہو اور بے دکھلی ہو جائے۔"

داتا دین چلے گئے۔ ہوری کی طرف سے انھیں کوئی اندیشہ نہ تھا! اندیشہ تھا تو دھنیا کی طرف سے۔ اس کی ناک بڑی لمبی ہے۔ چاہے آپ مٹ جائے مرجاد نہ چھوڑے گی۔ مگر ہوری، ہاں، کرلے تو وہ بھی رو دھو کر مان ہی جائیگی کھیتوں کے نکل جانے میں بھی تو مرجاد بگڑنی ہے۔

دھنیا نے آکر پوچھا "پنڈت کیوں آئے تھے ؟"

"کچھ نہیں، یہی بید کھلی کی بات چیت تھی۔"

"آنسو پوچھنے آئے ہوں گے، یہ تو نہ ہوگا کہ سو روپئے ادھار دیدیں۔ مانگنے کا منہ بھی تو نہیں ہے۔"

"تو یہاں آتے ہی کیوں ہیں ؟"

"روپیا کی سگائی کی بات بھی تھی۔"

"کس سے ؟"

"رام سیوک کو جانتی ہو؟ ان ہی سے۔"

"میں نے انھیں کب دیکھا ؟ ہاں نام بہت دن سے سنتی ہوں۔ وہ تو بوڑھا ہوگا ؟"

"بوڑھا نہیں ہے، ہاں ادھیڑ ہے۔"

"تم نے پنڈت کو پھٹکارا نہیں، مجھ سے کہتے تو ایسا جواب دیتی کہ

یاد کرتے۔
پنڈت [illegible] نہیں، مگر انکار کر دیا۔ کہتے تھے کہ بیاہ بھی بنا کھرچ کے ہو جائے گا اور کھیت بھی نہ جائیں گے۔"
"کھل کے کیوں نہیں کہتے کہ لڑکی بیچنے کو کہتے تھے۔ کیسے اس بوڑھے کی ہمت پڑی؟"
لیکن ہوری اس مسئلے پر جتنا ہی غور کرتا تھا اتنی ہی اس کی ہٹ کمزور ہوتی جاتی تھی۔ مرجاد کی لاج اسے کچھ کم نہ تھی۔ لیکن جس مریض کا عارضہ مہلک ہو گیا ہو وہ کھانے پینے میں پرہیز کی پروا کب کرتا ہے؟ داتادین کے سامنے ہوری نے کچھ ایسے طرز کا اظہار کیا تھا جیسے منظور نہیں کہا جا سکتا تھا۔ مگر اندر سے وہ پگھل گیا تھا۔ عمر کی ایسی کوئی بات نہیں۔ مرنا جینا بھاگ کے ہاتھ ہے۔ بوڑھے بیٹھے رہتے ہیں، جوان چلے جاتے ہیں۔ روپا کے بھاگ میں سکھ لکھا ہے تو وہاں بھی سکھ اٹھا دے گی اور دکھ لکھا ہے تو کہیں بھی سکھ نہیں پا سکتی۔ اور لڑکی بیچنے کی تو کوئی بات ہی نہیں۔ ہوری اس سے جو کچھ لے گا ادھار لے گا اور ہاتھ میں روپیہ آتے ہی ادا کر دے گا۔ اس میں شرم یا ہتک کی کوئی بات نہیں۔ ہاں اس میں سمائی ہوتی تو وہ روپا کا بیاہ کسی جوان لڑکے سے اور اونچے گھرانے میں کرتا، جہیز بھی دیتا اور برات کے کھلانے پلانے میں دل کھول کر خرچ بھی کرتا۔ مگر جب ایشور نے اسے اس لائق نہیں بنایا تو کُشا کنیا دینے کے سوا وہ اور کیا کر سکتا ہے؟ لوگ ہنسیں گے مگر جو لوگ صرف ہنستے ہیں اور کوئی مدد نہیں کرتے ان کی ہنسی کی وہ کیوں پروا کرے؟ مشکل یہی ہے کہ دھنیا نہ مانے گی۔ گدھی تو ہے ہی! وہی پرانی لاج کے لئے بیٹھی رہنے گی۔ یہ گھرانے کی مرجاد بنا ہنے کا سمے نہیں ہے، اپنی جان

بچانے کا سمے ہے۔ ایسی ہی بڑی لاج مرجاد والی ہے تو لاسئے پانچ سو روپئے،
نکالے۔ کہاں دھرے ہیں؟

دو دن گزر گئے اور اس کے متعلق دونوں میں کوئی بات چیت نہ ہوئی
ہاں، دونوں اشارتاً گفتگو کرتے رہتے تھے۔

"دھنیا کہتی بَر اور کنیا جوڑ کے ہوں تب ہی بیاہ کا سکھ ہے۔"

ہوری جواب دیتا: "بیاہ سکھ کا نام نہیں ہے پگلی، یہ تو تپسیا ہے۔"

"چلو تپسیا ہے!"

"ہاں، میں کہتا جو ہوں، بھگوان آدمی کو جس دسا میں ڈال دیں اس میں
سکھی رہنا تپسیا نہیں تو اور کیا ہے؟"

دوسرے دن دھنیا نے ازدواجی مسرت کا دوسرا پہلو سوچ نکالا۔
"گھر میں جب تک ساس سسر، دیورانیاں جٹھانیاں نہ ہوں تب تک سسرال
کا سکھ ہی کیا؟ کچھ دن تو لڑکی بہو بننے کا سکھ پائے۔"

ہوری نے کہا: "یہ بیاہ کا سکھ نہیں ہے، دکھ ہے؟"

دھنیا بگڑ اٹھی: "تمھاری باتیں بھی نرالی ہوتی ہیں۔ اکیلی بہو گھر میں
کیسے رہے گی؟ نہ کوئی آگے نہ پیچھے!"

ہوری بولا: "تو اس گھر میں آئی تو ایک نہیں دو دو دیور تھے، ساس بھی
سسر تھا۔ تو نے کونسا سکھ اٹھا لیا؟ بتا!"

"کیا سب ہی گھروں میں ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں؟"

"اور نہیں تو کیا، آسمان کی دیویاں آجاتی ہیں؟ اکیلی تو بہو اور اس پر
حکم چلانے والا سارا گھر، بے چاری کس کس کا کہنا کرے۔ جس کا حکم نہ مانے
وہی بیری۔ سب سے بھلا اکیلا۔"

پھر بھی بات یہیں تک رہ گئی، مگر دھنیا کا پلڑا ہلکا ہوتا جاتا تھا۔ چوتھے دن رام سیوک مہتو خود آ پہنچے۔ کلاں راس گھوڑے پر سوار، ساتھ میں ایک نائی اور ایک خدمتگار لئے، جیسے کوئی بڑا زمیندار ہو۔ عمر چالیس سے اوپر تھی اور بال کھچڑی ہو گئے تھے۔ مگر چہرے پر رونق تھی، اور بدن مضبوط تھا۔ ہوری ان کے سامنے بالکل بوڑھا لگتا تھا۔ کسی مقدمے کی پیروی کرنے جا رہے تھے یہاں ذرا دو پہر گزارنا چاہتے تھے۔ دھوپ کتنی تیز ہے اور لو کتنے زوروں کی چل رہی ہے! ہوری دلاری کی دوکان سے گیہوں کا آٹا اور گھی لایا۔ پوریاں بنیں تینوں مہمانوں نے کھایا۔ داتادین بھی دعا دینے آ پہنچے تھے۔ باتیں ہونے لگیں۔

داتادین نے پوچھا "کیسا مکدمہ (مقدمہ) ہے مہتو؟"

رام سیوک نے شان جماتے ہوئے کہا "مکدمہ (مقدمہ) تو ایک لگا ہی رہتا ہے مہراج! دنیا میں گئو بننے سے کام نہیں چلتا۔ جتنا دبتے جاؤ اتنا ہی لوگ دباتے ہیں۔ تھانہ پولیس، کچہری عدالت، سب ہیں ہماری رچھا (حفاظت) کے لئے مگر رچھا کوئی نہیں کرتا۔ ہر جگہ لوٹ ہے۔ جو گریب (غریب) ہے، لاچار ہے، اس کی گردن کاٹنے کے لئے سب ہی تیار رہتے ہیں۔ بھگوان نہ کرے کوئی بے ایمانی کرے۔ یہ بڑا پاپ ہے۔ اپنے حک (حق) اور نیائے کے لئے نہ لڑنا اس سے بھی بڑا پاپ ہے۔ تم ہی سوچو کہ آدمی کہاں تک دبے۔ یہاں تو جو کسان ہے وہ سب کا ملائم چارا ہے۔ پٹواری کو نجر (نذر) اور دستوری نہ دیں تو گاؤں میں رہنا کٹھن۔ جمیندار (زمیندار) کے چپراسیوں اور کارندوں کا پیٹ نہ بھرے تو نباہ نہیں۔ تھانیدار اور کانسٹبل تو جیسے اس کے داماد ہی ہیں۔ جب ان کا دورا گانوں میں ہو جاتے تو کسانوں کا دھرم

کہ وہ اُن کی ہر طرح آؤ بھگت کریں، نہیں تو ایک رپٹ میں گانوں کا گانوں بندھ جائے کبھی کانونگو (قانون گو) کبھی تحصیلدار (تحصیلدار) کبھی ڈپٹی، کبھی جنٹ، کبھی کلکٹر (کلکٹر) کبھی کپتان آتے ہی رہتے ہیں اور کسان کو ان کے آگے ہاتھ باندھے کھڑا رہنا چاہیئے۔ اُن کے لئے رسد چارا، انڈا مرغی، دودھ گھی کا بندوبست کرنا چاہیئے۔ تم پر بھی تو وہی بیت رہی ہے مہاراج۔ ایک نہ ایک حاکم نت نئے بڑھتے جاتے ہیں۔ ایک ڈاکٹر کنوؤں میں دوائی ڈالنے کے لئے آنے لگا ہے ایک دوسرا ڈاکٹر کبھی کبھی آکر ڈھوروں (مویشی) کو دیکھتا ہے۔ لڑکوں کا امتحان لینے والا انسپکٹر (انسپکٹر) ہے اور نہ جانے کون کون انسپر (افسر) ہیں، نہر کے الگ، جنگل کے الگ، سراب تاڑی کے الگ، گانوں سدھار کے الگ، کھیتی کے الگ، کہاں تک گناؤں؟ پادری آجاتا ہے تو اسے بھی رسد دینا پڑتا ہے اور جو کہو کہ اتنے محکموں اور اتنے انسپروں سے کسان کا کچھ بھلا ہوتا ہے تو نام کو نہیں۔ ابھی جمیندار (زمیندار) نے گانوں میں ہل پیچھے دو دو روپیہ چندا لگایا۔ کسی بڑے انسپر کی دعوت کی تھی۔ کسانوں نے دینے سے انکار کر دیا۔ بس اس نے گانوں بھر پر جا بھا (اضافہ) کر دیا۔ حاکم بھی جمیندار کا پچھ (طرفداری) کرتے ہیں۔ یہ نہیں سوچتے کہ کسان بھی آدمی ہے اس کے بھی بال بچے ہیں، اس کی بھی اجت (عزت) آبرو ہے۔ اور یہ سب ہمارے دبوپن کا نتیجہ ہے۔ میں نے گانوں بھر میں ڈھول بجوا دی کہ کوئی بیسی لگان نہ دو اور نہ کھیت چھوڑو۔ ہم کو کوئی کائل (قائل) کر دے تو ہم بیسی دینے کو تیار ہیں۔ پر جو تم چاہو کہ بے منہ کے کسانوں کو پیس کر پی جائیں تو یہ نہ ہوگا۔ گانوں والوں نے میری بات مان لی اور سب نے بیسی دینے سے انکار کر دیا۔ جمیندار نے دیکھا کہ سارا گانوں ایک ہو گیا ہے تو لاچار ہو گیا۔ کھیت

بید کھل (بید خل) بھی کرے تو جوتے کون؟ آج کل جب تک کڑے نہ پڑو کوئی نہیں سنتا۔ روئے بنا تو لڑکا بھی ماں سے دودھ نہیں پاتا۔"

رام سیوک نیسوے پہر چلا گیا مگر دھنیا اور ہوری پر ایک نہ مٹنے والا اثر چھوڑ گیا۔ داتا دین کا جادو چل گیا۔ انھوں نے پوچھا: "اب کیا کہتے ہو ہوری؟"

ہوری نے دھنیا کی طرف اشارہ کر کے کہا: "اس سے پوچھو۔"

"تم دونوں سے پوچھتے ہیں۔"

دھنیا بولی: "عمر تو ادھک ہی پر تم لوگوں کی رائے ہے تو مجھے بھی منجور (منظور) ہے۔ بھاگ میں جو لکھا ہوگا وہ تو آگے آوے ہی گا پر آدمی اچھا ہی۔"

اور ہوری کو تو رام سیوک پر ویسا ہی بھروسہ ہو گیا تھا جیسا کمزور کو طاقت ور پر ہوتا ہے۔ وہ شیخ چلی کے سے منصوبے باندھنے لگا تھا۔ ایسا آدمی اس کا ہاتھ پکڑ لے تو بیڑا پار ہے۔

بیاہ کا مہورت ٹھیک ہو گیا۔ گوبر کو بھی بلانا ہوگا۔ لکھنا چاہیئے۔ پھر آنا نہ آنا اس کے من کی بات ہے۔ یہ کہنے کو تو منہ نہ رہے کہ مجھے بلایا کب تھا۔ سونا کو بھی بلانا ہوگا۔

دھنیا نے کہا: "گوبر تو ایسا نہیں تھا مگر جب جھنیا آنے دے۔ پردیس جا کر ایسا بھول گیا کہ نہ چٹھی نہ پتری۔ نہ جانے کیسے ہے۔" یہ کہتے کہتے اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

گوبر کو خط ملا تو چلنے کو تیار ہو گیا۔ جھنیا کو جانا اچھا تو نہ لگتا تھا مگر اس موقع پر کچھ کہہ نہ سکی۔ بہن کے بیاہ میں بھائی کا نہ جانا کیسے ممکن ہے۔ سونا ہی کے بیاہ میں نہ جانے کا کلنک کیا کم ہے۔

گوبر بھرے ہوئے گلے سے بولا: "ماں باپ سے کھنچے رہنا کوئی

اچھا کام نہیں۔ اب ہمارے ہاتھ پانوں ہیں تو اُن سے کھنچیں چاہے لڑیں، مگر جنم تو ان ہی نے دیا، پال پوس کر جوان تو ان ہی نے کیا، اب وہ ہمیں چار بات بھی کہیں تو گم (غم) کھانا چاہیئے۔ ادھر مجھے بار بار اماں دادا کی یاد آیا کرتی ہر اس سے مجھے نہ جانے کیوں ان پر گستہ (غصہ) آگیا تھا۔ تیرے کارن ماں باپ کو بھی چھوڑنا پڑا۔"

جھنیا بگڑ اٹھی: "مجھے یہ باپ نہ لگاؤ، ہاں۔ تم ہی کو لڑنا سوجھا تھا۔ میں تو اماں کے پاس اتنے دن رہی کبھی سانس نہ لیا۔"

"لڑائی تیرے کارن ہوئی۔"

اچھا میرے ہی کارن سہی، میں نے بھی تو تمھارے لئے اپنا گھر بار چھوڑ دیا۔"

تیرے گھر میں کون تجھے پیار کرتا تھا؟ بھائی بگڑتے تھے، بھاوجیں ستاتی تھیں اور بھولا تو تجھے پاتے تو کچا ہی کھا جاتے۔"

"تمھارے ہی کارن۔"

"اب کی جب تک رہیں اس طرح رہیں کہ انھیں بھی جینے گانی (زندگانی) کا سکھ ملے۔ ان کی مرجی (مرضی) کے بنا کوئی کام نہ کریں۔ دادا اتنے اچھے ہیں کہ کبھی مجھے ڈانٹا بھی نہیں۔ اماں نے کئی بار مارا ہے مگر وہ جب تک مجھے ہنسا نہ لیں انھیں چین نہ آتا تھا۔"

دونوں نے مالتی سے ذکر کیا۔ مالتی نے چھٹی ہی نہیں دی بلکہ کنیا کی بھینٹ کے لئے ایک چرخہ اور ہاتھوں کا کنگن بھی دیا۔ وہ خود جانا چاہتی تھی مگر کئی ایسے مریض اس کے زیر علاج تھے جنھیں ایک دن کے لئے نہ چھوڑ سکتی تھی، ہاں، شادی کے دن آنے کا وعدہ کیا۔ اور بچے کے لئے

کھلونوں کا ڈھیر لگا دیا۔ اسے بار بار چومتی اور پیار کرتی تھی۔ گویا سب کچھ پیشگی دے لینا چاہتی ہے، اور بچہ اس کے پیار کی بالکل پروا نہ کر کے گھر جانے کے لئے خوش تھا، اسی گھر کے لئے جس کو اس نے دیکھا تک نہ تھا اس کے طفلانہ تصور میں گھر بہشت سے بڑھ کر کوئی چیز تھا۔

گوبر نے گھر پہنچ کر وہاں کی حالت دیکھی تو ایسی مایوسی ہوئی کہ اسی وقت واپس جائے۔ گھر کا ایک حصہ گرنے کے قریب تھا۔ دروازے پر صرف ایک بیل بندھا ہوا تھا اور وہ بھی آدھ مرا سا۔ دھنیا اور ہوری دونوں خوشی سے پھولے نہ سمائے۔ مگر گوبر کا جی اُچاٹ تھا۔ اب اس گھر کے سنبھلنے کی کیا امید ہے؟ وہ غلامی کرتا ہے مگر پیٹ بھر کھاتا تو ہے۔ صرف ایک ہی مالک کا تو نوکر ہے۔ یہاں تو جسے دیکھو وہی رعب جماتا ہے۔ غلامی ہے مگر خشک! محنت کر کے اناج پیدا کرو اور جو روپے ملیں وہ دوسرے کو دے دو۔ اور آپ بیٹھے ہوئے "رام رام" جپو۔ دادا ہی کا کلیجہ ہے کہ یہ سب سہتے ہیں۔ اس سے تو ایک دن نہ سہا جائے۔ اور یہ حالت کچھ ہوری ہی کی نہ تھی۔ سارے گاؤں پر یہی مصیبت تھی۔ ایسا ایک آدمی بھی نہیں جس کی حالت زار نہ ہو، گویا جسم میں جان کے بجائے کلفت ہی بھری ہوئی لوگوں کو کٹھ پتلیوں کی طرح نچا رہی تھی۔ چلتے پھرتے تھے، کام کرتے تھے، پستے تھے، صرف اس لئے کہ ایسا ہونا ان کی قسمت میں لکھا تھا۔ زندگی میں نہ کوئی امید ہے اور نہ کوئی اُمنگ گویا ان کی زندگی کے سوتے سوکھ گئے ہوں اور ساری ہریالی مرجھا گئی ہو، جیٹھ کے دن ہیں، ابھی تک کھلیانوں میں اناج موجود ہے۔ مگر کسی کے چہرے پر خوشی نہیں ہے۔ بہت کچھ اناج تو کھلیان ہی میں تل کر مہاجنوں اور کارندوں کی نذر ہو چکا ہے اور جو کچھ بچ رہا ہے وہ بھی دوسرے ہی کا ہے۔ مستقبل تاریکی

کی طرح ان کے سامنے ہے۔ جس میں انھیں کوئی راستہ نہیں سوجھتا۔ ان کی ساری حیات مردہ ہوگئی ہیں۔ دروازے پر منوں کوڑا کرکٹ جمع ہے، بدبو اڑ رہی ہے۔ مگر ان کی ناک میں نہ بو ہے اور نہ آنکھوں میں نور۔ سرِشام سے دروازے پر گیدڑ رونے لگتے ہیں، مگر کسی کو غم نہیں۔ سامنے جو کچھ موٹا جھوٹا آجاتا ہے وہ وہ کھا لیتے ہیں، اسی طرح جیسے انجن کوئلہ کھا لیتا ہے۔ ان کے بیل چونی چوکر کے بغیر ناند میں منہ نہیں ڈالتے۔ مگر انھیں صرف پیٹ میں کچھ ڈالنے کو چاہیئے۔ ذائقہ سے کچھ مطلب نہیں۔ ان کی قوت ذائقہ مر چکی ہے۔ اُن کی زندگی میں اس کا فقدان ہوگیا ہے۔ ان سے دھیلے دھیلے کے لئے بے ایمانی کرالو، مٹھی بھر اناج کے لئے لاٹھیاں چلوالو۔ پستی کی وہ انتہا ہے جب آدمی عزت و غیرت کو بھی بھول جاتا ہے۔

رنکین سے گوبر نے گانوں کی یہی حالت دیکھی تھی اور اس کا عادی ہو چکا تھا۔ مگر آج چار سال کے بعد اس نے جیسے ایک نئی دنیا دیکھی۔ بھلے آدمیوں کے ساتھ رہنے سے اس کی عقل کچھ جاگ اٹھی ہے۔ اس نے سیاسی جلسوں میں جا کر لکچر سُنے ہیں جو اس کے عضو عضو میں پیوست ہوگئے ہیں۔ اس نے سنا ہے اور سمجھا ہے کہ اپنا بھاگ خود بنانا ہوگا، اپنی عقل و ہمت سے ان تکلیفوں پر فتح پانا ہوگا۔ کوئی دیوتا، کوئی پوشیدہ طاقت، ان کی مدد کرنے نہ آئے گی۔ اس میں احساس آگیا ہے۔ اب اس میں وہ پہلے کا گنوارپن اور گھمنڈ نہیں ہے۔ وہ منکسر مزاج اور مدبر ہوگیا ہے۔ جس حالت میں پڑے ہوتے ہو اسے خود غرضی اور حرص میں مبتلا ہو کر اور کیوں بگاڑتے ہو؟ غم نے تم کو ایک رشتے میں باندھ دیا ہے۔ اخوت کی اس قدرتی بندش کو کیوں اپنی ہیچ اغراض سے توڑے ڈالتے ہو؟ اس بندش کو اتحاد کی بندش بنالو۔ اس طرح کے خیالات نے اس کی بشریت کو گویا پر لگائے ہیں۔ دنیوی نشیب و فراز

دیکھ لینے کے بعد بڈھے سادے لوگوں میں جو فراخدلی آجاتی ہے وہ گویا اب آسمان میں اڑنے کے لئے پروں کو تول رہی ہے۔ ہوری کو جب کوئی کام کرتے دیکھتا ہی تو اسے ہٹا کر خود کرنے لگتا ہی گویا اگلی بدسلوکیوں کا کفارہ کرنا چاہتا ہو۔ کہتا ہے کہ دادا اب تم کوئی چنتا مت کرو۔ سارا بار مجھ پر چھوڑ دو، میں اب ہر مہینے خرچ بھیجوں گا۔ اتنے دن تو مرتے کھپتے رہے، اب کچھ دن تو آرام کر لو۔ مجھ پر لعنت ہی کہ میرے رہتے تمھیں اتنی تکلیف اٹھانی پڑے۔ اور ہوری کے روئیں روئیں سے بیٹے کے لئے دعا نکلتی ہے۔ اسے اپنے کمزور جسم میں قدرتی طاقت کا احساس ہوتا ہے۔ وہ اس وقت اپنے فرض کی صراحت کر کے اس کی اٹھتی جوانی پر تفکر اور تردد کی بجلی کیوں گرائے؟ وہ آرام سے کھائے پیئے، زندگی کا سکھ اٹھائے۔ مرنے کھپنے کے لئے وہ تیار ہے۔ یہی اس کی زندگی ہی۔ "رام رام" جپ کر وہ جی بھی تو نہیں سکتا۔ اسے تو پھاوڑا اور کدال چاہیئے۔ رام کے نام کی مالا پھیر کر اس کے دل کو سکون نہ ہوگا۔

گوبر نے کہا: "کہو تو میں سب سے کست (قسط) کروا دوں اور ہر مہینہ ادا کرتا جاؤں۔ کل ملا کر کتنا ہوگا؟"

ہوری نے سر ہلا کر کہا: "نہیں بیٹا، تم کاہے کو کشٹ اٹھاؤ گے۔ تم ہی کو کون بہت ملتا ہے۔ میں سب دیکھ لوں گا۔ ایسا ہی سمے تھوڑے رہے گا۔ روپیا چلی جاتی ہے۔ اب کرج (قرض) ہی چکانا تو ہے۔ تم کوئی چنتا مت کرنا۔ اچھی طرح کھانا پینا۔ ابھی بدن بنا لو گے تو سدا سکھ سے رہو گے۔ میری کون؟ مجھے تو مرنے کھپنے کی عادت پڑ گئی ہے۔ ابھی تم کو کھیتی میں نہیں جوتنا چاہتا۔ مالک اچھا مل گیا ہے۔ اس کی کچھ دن سیوا کر لو گے تو آدمی بن جاؤ گے۔ وہ تو یہاں آ چکی ہیں۔ پوری دیوی ہیں۔"

"بیاہ کے دن پھر آنے کو کہا ہے۔"

"ہمارے سر آنکھوں پر آویں۔ ایسے بھلے مانسوں کے ساتھ رہنے میں چاہے پیسے کم بھی ملیں مگر گیان بڑھتا ہے اور آنکھیں کھلتی ہیں۔"

اسی وقت پنڈت داتا دین نے ہوری کو اشارے سے بلایا اور دور لے جا کر کمرے سو سو روپئے کے دو نوٹ نکالتے ہوئے بولے: تم نے میری صلاح مان لی، بڑا اچھا کیا۔ دونوں کام بن گئے۔ کنیا سے بھی اُرن سکدوش، ہو گئے اور باپ دادوں کی نسانی بھی بچ گئی مجھ سے جو کچھ ہو سکا وہ میں نے تمھارے لئے کر دیا، اب تم جانو اور تمھارا کام جانے۔"

ہوری نے روپئے لئے تو اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ اس کا سر اوپر نہ اٹھ سکا۔ منہ سے ایک لفظ نہ نکلا، گویا ذلت کے اتھاہ سمندر میں گر پڑا ہو اور گرتا چلا جا رہا ہو۔ آج تیس سال تک زندگی سے لڑتے رہنے کے بعد وہ ہار گیا ہے اور ایسا ہارا ہے کہ گویا اسے شہر کے پھاٹک پر کھڑا کر دیا گیا ہے اور جو جاتا ہے وہ اس کے منہ پر تھوک دیتا ہے۔ اور وہ چلا چلا کر کہہ رہا ہے کہ بھائیو! میں رحم کا مستحق ہوں، میں نے نہیں جانا کہ جیٹھ کی لُو کیسی ہوتی ہے اور ماگھ کی برکھا کیسی ہوتی ہے۔ اس بدن کو چیر کر دیکھو کہ اس میں کتنی جان رہ گئی ہے اور وہ کتنی چوٹوں سے چور اور ٹھوکروں سے کچلا ہوا ہے۔ اس سے پوچھو، کبھی تو نے آرام کے درشن کئے ہیں، کبھی تو چھاؤں میں بیٹھا ہے؟ اُس پر یہ ذلت! اور وہ اب بھی جیتا ہے، نامرد، لالچی، کمینہ! اس کا سارا اعتقاد جو بہت گہرا ہو کر ٹھوس اور اندھا ہو گیا تھا گویا ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہو۔

داتادین نے کہا: "تو میں جاتا ہوں۔ نہ ہو، تم ابھی نوکھے رام کے پاس چلے جاؤ۔"

ہوری نے عاجزی سے کہا: "چلا جاؤں گا مہراج، مگر میری آبرو تمھارے ہاتھ ہے۔"

دو دن تک گانوں میں خوب دھوم دھام رہی۔ باجے بجے، گانا بجانا ہوا اور روپا رودھو کر رخصت ہوگئی۔ مگر ہوری کو کسی نے گھر سے نکلتے نہ دیکھا ایسا چھپا بیٹھا تھا جیسے منہ میں کالکھ لگی ہو۔ مالتی کے آجانے سے پہل پہل اور بڑھ گئی۔ دوسرے گانوں کی عورتیں بھی آگئیں۔

گوبر نے اپنے اُس داخلاق سے سارے گانوں کو گرویدہ بنالیا ہے۔ ایسا کوئی گھر نہ تھا جہاں وہ اپنے اچھے سلوک کی یاد نہ چھوڑ آیا ہو۔ بھولا تو اس کے پیروں پر گر پڑے۔ اس کی عورت نے اسے پان دئے اور ایک روپیہ رخصتانہ دیا اور اس کا لکھنؤ کا پتہ بھی پوچھا۔ کبھی لکھنؤ آئے گی تو اُس سے ضرور ملے گی۔ اپنے روپئے کا اس نے کوئی ذکر نہ کیا۔

تیسرے دن جب گوبر چلنے لگا تو ہوری نے دھنیا کے سامنے آنکھوں میں آنسو بھر کر اس گناہ کا اعتراف کر لیا جو کئی روز سے اس کے دل کو پریشان و پشیمان کر رہا تھا اور رو کر بولا "بیٹا، میں نے اس دھرتی کے موہ سے یہ پاپ کی گٹھری سر پر لادی ہے۔ نہ جانے بھگوان مجھے اس کا کیا ڈنڈ دیں گے"۔

گوبر ذرا بھی ناخوش نہ ہوا، کسی طرح کی جھنجھلاہٹ اس کے چہرے پر نہ تھی۔ عقیدت سے بولا "اس میں پاپ کی تو کوئی بات نہیں ہے، دادا، ہاں رام سیوک کے روپئے ادا کر دینا چاہیئے اور تم کیا کرتے؟ میں کسی لائق (لائق) نہیں، تمھاری کھیتی میں اتج نہیں، ادھار کہیں مل نہیں سکتا، مہینہ بھر کے لئے بھی گھر میں اناج نہیں، ایسی حالت میں تم اور کر ہی کیا سکتے تھے

کھیت نہ بچاتے تو رہتے کہاں؟ جب آدمی کا کوئی بس نہیں چلتا تو اپنے کو بھاگ ہی پر چھوڑ دیتا ہے۔ نہ جانے یہ دھاندلی کب تک چلتی رہے گی۔ جسے پیٹ کی روٹی میسّر نہیں اس کے لئے آبرو اور مرجاد سب ڈھونگ ہے۔ اوروں کی طرح تم نے بھی دوسروں کا گلا دبایا ہوتا، ان کا روپیہ مارا ہوتا تو تم بھی بھلے مانس ہوتے۔ تم نے کبھی دھرم کو نہیں چھوڑا۔ یہ اسی کا ڈنڈ ہے۔ بھائی جگہ میں ہوتا تو یا تو جہل (جیل) میں ہوتا یا پھانسی پا گیا ہوتا۔ مجھ سے یہ کبھی نہ سہا جاتا کہ میں کما کما کر سب کا گھر بھروں اور آپ اپنے بال بچّوں کے ساتھ منہ میں جالی لگائے بیٹھا رہوں۔

دھنیا بہو کو اس کے ساتھ بھیجنے پر راضی نہ ہوئی۔ جھنیا بھی چاہتی تھی کہ ابھی کچھ دن یہیں رہے۔ طے ہوا کہ گوبر اکیلا ہی جائے۔

دوسرے روز علی الصبح گوبر سب سے رخصت ہو کر لکھنؤ چلا۔ ہوری اسے گاؤں کے باہر تک پہنچانے گیا۔ گوبر سے اتنی محبت اسے کبھی نہ ہوئی تھی۔ جب گوبر اس کے پیروں پر جھکا تو ہوری رو پڑا جیسے پھر اسے بیٹے کے درشن نہ ہوں گے۔ اس کی آتما میں خوشی تھی، غرور تھا اور عزم تھا۔ بیٹے سے یہ عقیدت اور محبت پا کر اس میں رونق اور بالیدگی آگئی ہے۔ کئی روز پہلے اس پر جو سستی سی چھا گئی تھی، ایک ایسی تاریکی سی جس میں وہ اپنا راستہ بھول رہا تھا وہاں اب مستعدی ہے اور روشنی ہے۔

روپا اپنی سسرال میں خوش تھی۔ جس حالت میں اس کا بچپن بیتا تھا اس پیسہ سب سے قیمتی چیز تھا۔ دل میں کتنی خواہشیں تھیں جو دل ہی میں گھٹ گھٹ کر رہ گئی تھیں وہ اب اُنھیں پورا کر رہی تھی اور رام سیوک ادھیڑ ہو کر جوان ہو گیا تھا۔ روپا کیلئے وہ شوہر تھا۔ اس کے جوان، ادھیڑ یا بوڑھے

ہونے سے اس کے نسائی جذبہ میں کوئی فرق نہ آسکتا تھا۔ یہ جذبہ شوہر کے رنگ روپ یا بن پر منحصر نہ تھا، اس کی بنیاد اس سے بہت گہری تھی۔ اجلے نسلی رواجوں کی تہ میں، جو صرف کسی زلزلے ہی سے ہل سکتی تھی۔ اس کا شباب اپنے ہی میں مست تھا، وہ اپنے ہی لئے اپنا بناؤ سنگار کرتی تھی اور آپ ہی خوش ہوتی تھی۔ رام سیوک کے لئے اس کا دوسرا روپ تھا۔ تب وہ گرستن بن جاتی تھی۔ کسی طرح کی خامی کا خیال اس کے دل میں نہ آتا تھا۔ اناج سے بھری ہوئی کھلیاں اور گانوں کے سرے تک پھیلی ہوئی کھیتی اور دروازے پر مویشی کی قطاریں، یہ سب اور کسی طرح کے عدم تکمیل والے خیال کو اس کے دل میں نہ آنے دیتی تھی۔ اور اس کی سب سے بڑی خواہش تھی کہ اپنے گھر والوں کو سکھی دیکھنا۔ ان کی غریبی کیسے دور کردے؟ اس گائے کی یاد ابھی تک اس کے دل میں تازہ تھی جو مہمان کی طرح آئی تھی اور سب کو روتا چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ وہ یاد اتنے دنوں کے بعد اب اور بھی شیریں ہوگئی تھی۔ ابھی اس کا بچپن اس نئے گھر میں نہ قائم ہو پایا تھا۔ وہی پرانا گھر اس کا اپنا گھر تھا۔ وہیں کے لوگ اپنے لگانے تھے۔ ان ہی کا دکھ اپنا دکھ اور ان ہی کا سکھ اپنا سکھ تھا۔ اس دروازے پر مویشیوں کا ایک جھنڈ دیکھ کر اسے وہ خوشی نہ ہوسکتی تھی جو اپنے دروازے پر ایک گائے دیکھ کر ہوتی۔ اس کے دادا کی یہ خواہش کبھی پوری نہ ہوئی۔ جس دن وہ گائے آئی تھی انھیں کتنی خوشی ہوئی تھی، جیسے آسمان سے کوئی دیوی آگئی ہو۔ تب سے پھر انھیں اتنی سمائی نہ ہوئی کہ کوئی دوسری گائے لاتے۔ مگر وہ جانتی تھی کہ آج بھی ہوری کے دل میں وہ خواہش اتنی ہی تازہ ہے۔ اب کی وہ جائے گی تو وہ اپنے ساتھ وہ دھوری گائے ضرور لیتی جائے گی۔ نہیں، اپنے نوکر سے کیوں نہ

بھجوا دے۔ رام سیوک سے پوچھنے بھر کی دیر تھی۔ منظوری ہوگئی اور دوسرے دن ایک اہیر کی معرفت روپانے گائے بھیج دی۔ اہیر سے کہا کہ دادا سے کہہ دینا منگل کے دودھ پینے کے لئے گائے بھیجی ہے۔ ہوری بھی گائے لینے کی فکر میں تھا۔ یوں ابھی اسے گائے لینے کی کوئی عجلت نہ تھی۔ مگر منگل یہیں ہے اور وہ بلا دودھ کے کیسے رہ سکتا ہے؟ روپیہ ملتے ہی وہ سب سے پہلے گائے لے گا۔ منگل اب صرف اس کا پوتا نہیں ہے، صرف گوبر کا بیٹا نہیں ہے، بلکہ ماتا دیوی کا کھلونا بھی ہے۔ اس کی پرورش و پرداخت اسی طرح ہونی چاہیئے۔

مگر روپئے کہاں سے آئیں؟ اتفاقاً اسی روز ایک ٹھیکہ دار نے سڑک کے لئے گاؤں کے اوسر میں کنکر کی کھدائی شروع کی۔ ہوری نے سنا تو فوراً وہاں جا پہنچا اور آٹھ آنے روز پر کھدائی کرنے لگا۔ اگر یہ کام دو مہینے بھی چل گیا تو اسے گائے بھر کو روپئے مل جائیں گے۔ دن بھر لُو اور دھوپ میں کام کرنے کے بعد وہ گھر آتا تو بالکل مرا ہوا سا، لیکن تکان کا نام نہیں اسی حوصلے سے دوسرے روز پھر کام کرنے جاتا۔ رات کو بھی کھا پی کر کپنی کے سامنے بیٹھ جاتا اور سُتلی کاتتا۔ کہیں بارہ ایک بجے سونے کی نوبت آتی دھنیا بھی پاگل ہوگئی تھی۔ اسے اتنی محنت کرنے سے روکنے کے بدلے وہ خود اس کے ساتھ بیٹھی ہوئی سُتلی کاتتی۔ گائے تو لینی ہی ہے، رام سیوک کے روپئے بھی تو ادا کرنے ہیں۔ گوبر کہہ گیا ہے۔ اسے بڑی فکر ہے۔

رات کے بارہ بج گئے تھے۔ دونوں بیٹھے سُتلی کات رہے تھے۔ دھنیا نے کہا "تمھیں نیند لگی ہو تو جا کر سو رہو، تڑکے سے پھر کام کرنا ہے"

ہوری نے آسمان کی طرف دیکھا "چلا جاؤں گا۔ ابھی تو دس بجے ہوں گے" تو جا سورہ!"